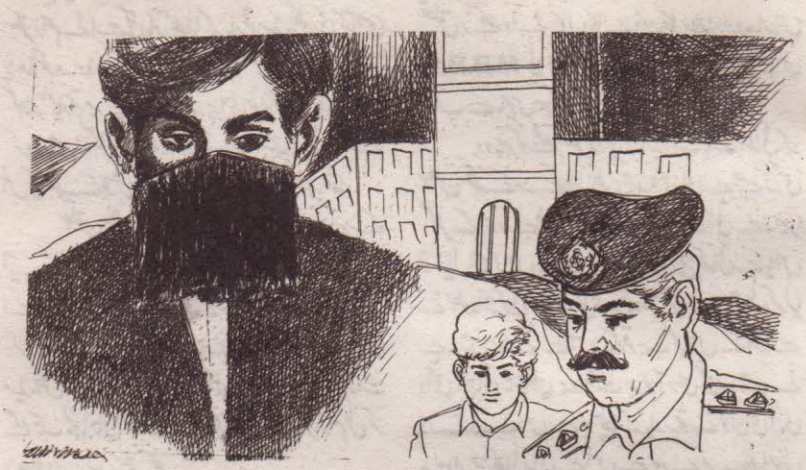

مہنگی دوستی

رضوان قیوم۔راولپنڈی

جنگل کے وسط میں بیٹھا نوجوان تھر تھر کانپ رہا تھا اور اس کے سامنے درخت پر بیٹھا ایک عجیب الخلقت کوا، نوجوان کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا کہ اتنے میں ایک دلخراش منظر رونما ہوا۔

ایک مافوق الفطرت کی دل و دماغ کو لرزا دینے والی اور خوف کے شکنجے میں جکڑتی کہانی

یہ پراسرار مافوق الفطرت کہانی کو مجھے ایک بزرگ ڈاکٹر نہیم گل نے یوں سنایا کہ:

بقول ڈاکٹر صاحب کہ یہ 1947ء کی بات ہے کہ میں ٹیکسلا سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے بمبئی شہر میں رائل میڈیکل اکیڈمی گیا۔ اس زمانہ میں M.B.B.S. کا کورس 3 سال پر مشتمل تھا۔ رائل میڈیکل اکیڈمی میں اسٹوڈنٹس کی رہائش کے لیے ہاسٹل میں کمرے بنائے گئے تھے۔ ہر کمرہ میں 3 سٹوڈنٹس رہ سکتے تھے۔ ہم تین اسٹوڈنٹس یعنی میرے علاوہ سمقر رام اور جلتن سنگھ کو ہاسٹل کا کمرہ نمبر 21/B ملا تھا۔

میں پڑھائی کے معاملہ میں درمیانی دماغی سطح کا تھا۔ جبکہ سمقر رام جس کا تعلق کندھا گاؤں (جالندھر) سے تھا۔ وہ کتابی کیڑا یعنی انتہائی پڑھاکو تھا۔ جبکہ جلتن سنگھ امرتسر کا رہنے والا تھا۔ وہ جس مقصد یعنی ڈاکٹری تعلیم حاصل

کرنے آیا تھا اسے اس کی کوئی فکر نہ تھی۔ حالانکہ میں نے اور سفقر رام نے اسے کئی بار سمجھایا کہ یار تم میڈیکل کی کتابیں پڑھا کرو۔ وہ ہماری اس بات سے بعض دفعہ ناراض ہوکر کہتا۔ ”یار تم میرے ذاتی مسئلہ پر اپنی خواہ مخواہ ٹانگ نہ اڑایا کرو۔ میں ڈاکٹر بنوں یا نہ بنوں، یہ میرا مسئلہ ہے۔“ ہم نے اس کی تنبیہ کے پیشِ نظر اسے کچھ سمجھانا ہی چھوڑ دیا تھا۔

جلتن سنگھ کے بارے میں پتا چلا کہ وہ امرتسر کے ایک رئیس سکھ خاندان کا اکلوتا بیٹا تھا اور اس کے باپ نے اسے میڈیکل تعلیم کے ابتدائی ٹیسٹ میں کوئی بڑی سفارش کروا کر اسے رعائتی پاس کروایا ہے۔ اور اسی بنیاد پر وہ بمبئی میڈیکل اکیڈمی میں آیا تھا۔ جلتن سنگھ اپنے بستر پر رات گئے تک لمبی تان کر سوتا رہتا جبکہ میں اور سفقر رام مل کر پڑھائی کرتے رہتے تھے۔

جلتن سنگھ کا معمول تھا کہ وہ اپنی کلاسیں کم لیتا تھا اور اپنا زیادہ تر وقت ہاسٹل کے کمرے میں سونے میں گزارتا تھا اور ہم یہ محسوس کرتے تھے کہ وہ سوتے ہوئے کچھ بڑبڑاتا ہے بالکل اسی طرح جیسے کہ وہ کسی سے ہم کلام ہو اور بعض دفعہ وہ اپنے ہونٹ اس طرح چلاتا جیسے کہ کچھ کھا رہا ہو اور ہر چند لمحے بعد اس کے چہرے پر نیا Impression ہوتا تھا۔

سفقر رام نے ایک دن مجھے اشارتاً کہا کہ مجھے لگتا ہے کہ جلتن سنگھ پر کوئی اوپری اثر ہوگیا ہے۔ یار یہ اس طرح پوستیوں کی طرح پڑا اپنی تعلیم سے لاپرواہ رہا تو اس کا یہ تعلیمی سال ضائع ہوجائے گا۔ ہمیں اس بے وقوف کے بارے میں کچھ سوچنا اور عملی طور پر کرنا چاہئے۔ میں نے سفقر رام کو یہ تجویز دی تو اس نے مجھ سے کہا کہ کل صبح اس کے بارے میں اکیڈمی کے وائس ڈین مسٹر کمار یادھو سے بات کریں گے۔

صبح ہم دونوں ڈین مسٹر کمار یادھو سے ملے۔ انہوں نے ہماری بات کو اہمیت نہ دیتے ہوئے کہا کہ آپ دونوں صرف اور صرف اپنی پڑھائی پر توجہ دیں۔ یہ جلتن سنگھ کا ذاتی معاملہ ہے۔ وہ ڈاکٹر بنے یا نہ بنے۔ وہ اگر ڈاکٹر نہ بھی بنا تو اس کا باپ اس پوزیشن میں ہے کہ وہ اسے اتنا روپیہ پیسہ دے سکے گا کہ وہ اپنی بیوی بچوں کو باآسانی اعلیٰ طریقہ سے زندگی گزار سکتا ہے۔ اصل مسئلہ تم غریب خاندان سے تعلق رکھنے والے بچوں کا ہے جن کا سارا دارومدار اس M.B.B.S. کی ڈگری پر ہے۔ ہم دونوں اس کے اس جواب سے مایوس ہوکر واپس آگئے۔

دوپہر کو مجھے سفقر رام نے یہ عجیب بات بتلائی کہ جلتن سنگھ کے منہ سے اس طرح بدبو آرہی ہے جیسے کہ کسی گٹر کے اندر سے فضلات کے سڑنے سے آتی ہے۔ میرا تو خیال تھا کہ اس نے کوئی انتہائی گندی چیز کھائی ہے یا اس نے بطور نشہ کوئی انتہائی غلیظ بدبودار مشروب استعمال کرلیا ہے۔ میں بہانے سے اس کے قریب گیا اس کے منہ سے واقعی انتہائی ناقابلِ برداشت بدبو آرہی تھی۔ میں نے ڈرتے ڈرتے اس سے پوچھا کہ یار یہ تو نے کون سی ایسی بدبودار چیز کھائی یا پی ہے جس سے پورے کمرے کا ماحول انتہائی بدبودار ہوگیا ہے۔

اس نے میرے اس سوال پر جواب دینے کی بجائے خاموشی اختیار کرتے ہوئے مجھے کہا کہ ”میں تمہیں اس کا جواب رات کو دوں گا۔“

”ابھی کیوں نہیں!“ سفقر رام نے اپنے منہ سے یہ جملہ نکالا ہی تھا کہ اس نے ایک بھڑکی دیتے ہوئے کہا کہ ”تو نے اگر آئندہ میرے ذاتی معاملات میں مداخلت کی تو یاد رکھ میں تجھے اپنے خاندانی اثر و رسوخ کے ذریعے اس میڈیکل اکیڈمی سے آؤٹ کروادوں گا۔“

سفقر رام ڈر گیا۔ اس نے خاموشی اختیار کرلی۔

شام کو اس نے ڈین مسٹر کمار یادھو سے اس مسئلہ پر شکایت کرکے اپنا روم تبدیل کروالیا۔ جبکہ اس کی جگہ کمرے میں کوئی نیا لڑکا نہیں آیا۔ دراصل ان دنوں میڈیکل اکیڈمی میں 1st ٹرم کے امتحانات شروع تھے۔ انتظامیہ کے لوگ اپنی جگہ مصروف تھے اور اسٹوڈنٹس کو اس ٹرم میں کامیابی کی فکر تھی۔

اب میں اپنے کمرہ میں جلتن سنگھ کے ساتھ اکیلا تھا۔ میں دلی طور پر خوفزدہ تھا۔ میں نے بھی دلی طور پر تہیہ کرلیا تھا کہ میں ٹرم کے امتحانات کے بعد اس کمرے سے چھٹکارا حاصل کرلوں گا۔

ایک رات گئے تک میں اپنے کمرے میں پڑھ رہا

تھا کہ جلتن سنگھ نے انتہائی گہری نیند میں بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ ”مجھے چھوڑ دو، میں نے جانا ہے، میں اب تمھارے ساتھ نہیں رہ سکتا، رک تو سہی میری بات تو سن“۔

میں نے اپنی کتاب جلدی سے چھوڑ دی اور اس کی جانب لپکا، میں نے اس کے پسینہ بھرے چہرے کو اچھی طرح تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ ”کیا ہوا جلتن سنگھ گھبراؤ نہیں تم خواب دیکھ رہے ہو۔ آنکھیں کھولو، میں تمھارے قریب ہوں فہیم گل“۔

اس نے جھٹ سے آنکھیں کھولیں اور وہ یکدم مجھ سے لپٹ گیا اور بچوں کی طرح رونے لگا۔ اس کے منہ سے کسی تازہ سیب کی خوشبو آرہی تھی۔ میں نے اسے کسی معصوم بچے کی طرح چمکار کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

”یار ایزی ہو جاؤ، لگتا ہے تم نے کوئی بھیانک خواب دیکھا ہے، جس کی وجہ سے تم ڈر گئے ہو۔“ مجھ سے پانی مانگا میں نے اسے پانی دیا۔ اس کے بعد وہ بڑے اطمینان سے میرے قریب آکر بیٹھ گیا۔ اس نے مجھے کہا کہ ”اس سے پہلے کہ تو مجھ سے مزید کچھ سوال کرے اور میں تجھے اس کا جواب دوں تو فی الحال میرا ایک کام کر۔“

میں نے اس سے پوچھا۔ ”کیسا کام؟“

اس نے مجھے کہا!

”تو کسی طرح یا کسی طریقہ سے سفر رام کو میرے پاس بلا کر لا“۔

”نہیں یار اس وقت رات کے تقریباً ڈیڑھ بج رہے ہیں اس وقت شاید وہ سو رہا ہو۔ کیونکہ مجھے پتا ہے کہ وہ صبح جلدی اٹھ کر پڑھتا ہے۔“

”نہیں تو ابھی جا“۔ وہ بولا۔

نہیں یار میں نے تجھے پہلے ہی کہہ دیا ہے کہ اس کے پاس اس وقت جانا مناسب نہیں ہے۔ ابھی چند گھنٹے صبر کر لے میں اسے بلا کر لاؤں گا۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ وہ ہو سکتا ہے کہ تجھ سے ملنے آئے یا نہ آئے۔ کیونکہ وہ تجھ سے بہت ڈرا ہوا ہے۔“ میں اسے اپنے تئیں منع کرتا رہا لیکن وہ اس بات پر بضد رہا کہ میں اسے بلا کر لاؤں۔

بہر حال اس کے پرزور اصرار پر میں بڑی ہمت کر کے سفر رام کے نئے کمرہ میں گیا۔ میں نے اس کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا تو خوش قسمتی سے اس کا ایک ساتھی ابھی تک اسٹڈی کر رہا تھا۔ اس نے پریشان ہو کر پوچھا کیا بات ہے۔ میں نے اس سے جھوٹ بولا کہ دراصل اس سے پیٹ درد کی ایک پھکی لینی ہے۔“

”اچھا میں اسے اٹھاتا ہوں۔“ اس کے ساتھی نے سفر رام کو اٹھا کر کہا کہ ”فہیم گل کو پیٹ درد کی پھکی چاہئے۔

وہ کسی ٹال مٹول کے اٹھ گیا۔ میں نے اسے اپنے پاس بلایا اور اسے جلتن سنگھ کا پیغام پہنچایا۔ سفر رام میرے خلافِ توقع ڈرنے کی بجائے بڑی فراخدلی سے دلیری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ”یار وہ جو بھی کچھ ہے، ہے تو ہاسٹل کا روم میٹ ساتھی اور کلاس فیلو۔ چلو میرے ساتھ میں اس کی بات سنتا ہوں۔“ ہم دونوں جب اس کے پاس پہنچے تو جلتن سنگھ نے باقاعدہ پیر پکڑ کے سفر رام سے معافی مانگی اور کہا۔

”یار مجھے میرے پچھلے رویے کی معافی دے دو۔ وہ دراصل میں تم دونوں کو کیسے کھل کر بتلاؤں کہ میں آج کل کس بڑی مصیبت کا شکار ہوں۔“

”کیسی مصیبت“ سفر رام نے اس سے بڑے ملائم انداز میں پوچھا۔

اس نے اپنی کہانی شروع کرتے ہوئے بتایا۔ ”یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں امرتسر کے ایک انگریزی اسکول کے ہاسٹل میں رہتا تھا۔ وہاں ایک دن میری ملاقات ایک بنگالی اسٹوڈنٹ رامپال سے ہوئی۔ اس نے مجھے بتلایا کہ اس کے قبضہ میں ایک ایسا جن دوست ہے جو اس کی دلی خواہشات کو پورا کرتا ہے۔ ایک دن میں نے رامپال سے کہا کہ یار مجھے بھی اپنے دوست سے ملواؤ۔ تو اس نے مجھے کہا کہ تو میرے ساتھ ”جی ٹی روڈ“ سے ملحقہ جنگلوں میں چل وہاں تجھے میں اپنے دوست سے ملواؤں گا۔ میں بہر حال اس کے ساتھ ”جی ٹی روڈ“ سے ملحقہ جنگلوں میں پہنچا تو وہاں اس نے مجھے ایک ایسے شخص سے ملایا جس کا قد عام آدمی سے اچھا خاصا طویل تھا۔ اور وہ عام آدمیوں کی طرح باتیں کرتے کرتے کوے کی طرح کائیں کائیں کرتا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ یہ آپ

کبھی کبھار کائیں کائیں کی آوازیں کیوں نکالتے ہیں۔ اس نے ہنستے ہوئے رامپال کو کہا کہ اپنے دوست کو بتلاؤ کہ میری حقیقت کیا ہے؟"

"ارے جلتن سنگھ میں تجھے بتلانا بھول گیا کہ ان کا تعلق غیر مروی مخلوق سے ہے اور ان کی قومی نسلیت کا تعلق نصف حیوانی اور نصف انسانی ہے، حیوانی سے مراد کوے کی مشابہت۔"

رامپال نے اس سے مجھے ملاتے ہوئے کہا کہ "تمہیں اگر میری غیر موجودگی میں اس سے آ کر ملنا ہو تو تم اسے اپنے دل میں یاد کرو۔ تمہیں اس کی آہستہ آہستہ پہلے ہلکی بدبو محسوس ہوگی اور پھر تھوڑی دیر بعد ایک کوے کی صورت میں تبدیل ہو کر تمہارے سامنے آئے گا۔ اور پھر تم اس کے ساتھ کچھ دور جانا اور پھر جب تم انسانی دنیا سے کسی ویرانے میں آؤ گے تو یہ کوا پھر اپنی اصلی شکل یعنی انسانی روپ میں سامنے آجائے گا۔"

بقول جلتن سنگھ میں نے اس سے اپنی دوستی پکی کرلی۔ رام پال کچھ عرصہ تو ہمارے ساتھ رہا لیکن بعد میں وہ صرف میٹرک کی تعلیم کو درمیان میں چھوڑ کر اپنے علاقہ بنگال چلا گیا تھا۔ اس غیر انسانی مخلوق (جن) نے مجھے خوب عیاشی کروائی مثلاً اس نے مجھے خوب کھلایا پلایا عیاشی کروائی۔ وہ مجھے کہتا تھا کہ اسے مجھ سے بہت لگاؤ ہو گیا ہے۔ اس جن نے مجھے کہا کہ "تو بے شک اسکول میں نہ پڑھا کر لیکن میں تجھے اپنی طاقت سے پاس کراؤں گا اور اس نے ایسا ہی کیا۔"

نیز اس نے بتلایا کہ اس کے باپ کا نام کٹھل سنگھ ہے، اس کے باپ کی توجہ اس کی تعلیم کی طرف تو ہے لیکن اسے اتنی توفیق نہیں ہے کہ وہ اس کے دیگر معاملات پر دھیان دے۔ جلتن سنگھ نے روتے ہوئے ہم دونوں کو کہا کہ "یار میں اپنے اس جن دوست سے اب جان چھڑانا چاہتا ہوں وہ اب مجھے بہت تنگ کرنے لگا ہے۔"

سنتو رام نے اس سے پوچھا کہ "وہ تمہیں اب کس طرح تنگ کرتا ہے۔" جلتن سنگھ نے جواباً کہا۔

وہ مجھے نہ صرف الٹی سیدھی کراہیت والی چیزیں کھلانے پر مجبور کرتا ہے بلکہ بعض دفعہ مجھے ایسی ایسی جگہوں پر لے جاتا ہے جہاں جانے سے مجھے نفرت ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تو اب اس کوے خاندان کی مخلوق سے تعلق رکھنے والے جن سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا ہے۔"

"ہاں میں واقعی اس جن کو دوست بنا کر پچھتا رہا ہوں۔"

اس نے منہ بسورتے ہوئے کہا کہ "اگر تم دونوں کو مجھ سے رتی برابر بھی ہمدردی ہے تو گرو کے واسطے میری اس سلسلے میں مدد کرو۔"

"اچھا تو پریشان نہ ہو۔ ہم تیرے لیے کچھ کرتے ہیں۔" سنتو رام نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

میں پھر اپنی پڑھائی میں مگن ہو گیا۔ لیکن اس نے ساری رات جاگ کر اور سہمے ہوئے انداز میں گزاری۔ فجر کی نماز سے کچھ دیر پہلے اس نے عجیب و غریب آوازیں نکالنی شروع کر دی تھیں۔ میں اس کے قریب گیا تو اس نے مجھے بری طرح دبوچ کر دبانا شروع کر دیا۔ "فہیم مجھے اس کوے جن سے بچالے۔"

میں نے اس سے اپنی جان چھڑاتے ہوئے کہا۔ "ہاں، ہاں میں تیرے لیے کچھ کرتا ہوں تو مجھے تو چھوڑ۔" میں نے بڑی مشکل سے اپنا پورا زور لگا کر اس کی گرفت سے اپنے آپ کو چھڑایا۔ وہ میرے پیچھے پیچھے مجھے پکڑنے کی غرض سے بڑی تیزی سے میری جانب بڑھا لیکن میں نے بڑی چابکدستی سے اپنے کمرے کا چوبی دروازہ بند کر دیا۔

میں گھبرا کر سیدھا ڈین کے کمرے میں گیا تو اس نے پریشان ہو کر مجھ سے پوچھا کہ "کیا مسئلہ ہے؟"

میں نے اس کو جلتن سنگھ کی پراسرار صورتِ حال بتائی تو اس نے مجھے کہا کہ:

"بیٹا تم اپنے ٹیسٹ کی تیاری کرو اور میں سر دست اس ناگفتہ صورتِ حال کو کنٹرول کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔" پرنسپل نے فوری طور پر ہاسٹل کے دو مضبوط چوکیداروں کو بلا کر کہا کہ وہ متعلقہ ہاسٹل میں جا کر جلتن سنگھ کو قابو کر کے ہاسٹل کی اوپری منزل کے گودام میں بند کر دیں۔

پرنسپل کے حکم کے مطابق ہاسٹل کے دونوں چوکیداروں نے جلتن سنگھ کو بڑی مشکل سے قابو کرنے کے بعد رسیوں سے جکڑ کر ہاسٹل کے گودام میں بند کردیا۔

پرنسپل نے مجھے کہا کہ ”تم آج ہونے والے انتہائی ضروری ٹرم کا پیپر دو۔ دوپہر کو اس پاگل کے مسئلہ پر غور کریں گے۔“

ہم اسٹوڈنٹس کمرہ امتحان میں پیپر دے رہے تھے کہ اسی دوران باہر سے آوازیں آنا شروع ہوگئیں کہ پاگل جلتن سنگھ بابا گلاب کو زخمی کر کے کہیں بھاگ گیا ہے۔ اسے پکڑو، پکڑو۔“

میں نے اپنا پرچہ ادھورا چھوڑا اور کمرہ امتحان سے اسے دیکھنے کے لیے باہر نکلا تو مجھے نگران امتحان پروفیسر دھمن نے کہا کہ ”بے وقوف لڑکے تمہیں معلوم نہیں ہے کہ تم ایک پاگل کی خاطر اپنے انتہائی ضروری امتحان کو ادھورا چھوڑ رہے ہو۔“ اس نے انتہائی سختی سے مجھے ڈانٹتے ہوئے کہا۔ ”تم اپنی سیٹ پر بیٹھ کر اپنا پرچہ دو۔“

میں نے کہا۔ ”نہیں سر! میں اب اپنا مزید پرچہ حل نہیں کروں گا۔ مجھے جلتن سنگھ کے بارے میں ڈر ہے کہ وہ اپنے آپ کو کہیں غلط جگہ جا کر نقصان نہ پہنچالے۔“

نگران پروفیسر دھمن نے مجھے غصے سے جھنجوڑتے ہوئے کہا کہ ”میں تمہیں ایک بار پھر حکم دیتا ہوں کہ تم اپنی سیٹ پر بیٹھ کر اپنا پرچہ حل کرو۔“

میں نے اس کی سیکنڈ وارننگ بھی نہ سنی۔ اور جلتن سنگھ کو پکڑنے کے لیے بھاگا۔ راستے میں مجھے ایک چوکیدار نے پکڑتے ہوئے کہا کہ ”وہ بہت دور جاچکا ہے۔“

اسی دوران اکیڈمی کا ایک سینئر پروفیسر جو ہمیں میڈیسن کا مضمون پڑھاتا تھا آ گیا۔ اس نے آتے ہی مجھے تین چار تھپڑ مارے اور اس نے انتہائی بارعب آواز میں مجھ سے کہا:

”تم فوری طور پر اپنا پرچہ دو۔“ میں نے بہرحال اس کی تنبیہ کو سنا اور دوبارہ کمرہ امتحان میں جا کر اپنا پرچہ دیا لیکن میرا دھیان جلتن سنگھ کی جانب لگا رہا۔ آدھے گھنٹے بعد جب پرچہ ختم ہوا تو پرنسپل نے مجھے اپنے کمرے میں بلا کر ڈانٹتے ہوئے کہا کہ ”تم نے اس پاگل کی خاطر اپنا پرچہ کیوں چھوڑا اور پروفیسر دھمن سے بدتمیزی کیوں کی؟“

انکوائری کا حکم صادر فرمادیا۔ اب جلتن سنگھ نہ جانے کہاں بھاگ چکا تھا۔ پرنسپل نے فوری طور پر میڈیکل اکیڈمی کے اسٹوڈنٹس کو اسے ڈھونڈنے کے لیے کہا۔ لیکن وہ تلاش بسیار کے بعد ناکام واپس آ گئے۔

پرنسپل نے مجھے اپنے آفس میں بلا کر مجھ سے کئی سوالات کیے۔ میں نے صاف صاف اس کی ان پراسرار حرکات کا بتلادیا جو وہ کرتا تھا۔

ون کے 4 بجے پرنسپل نے متعلقہ پولیس اسٹیشن میں اس کے فرار کی اطلاع دے دی۔

پرنسپل کے کمرے میں تھوڑی دیر کے بعد متعلقہ علاقے کا تھانیدار اور چند پولیس اہلکار آ گئے۔ تھانیدار سوتم لعل نے پرنسپل کو مشورہ دیا کہ وہ فوری طور پر اس واقعہ کی اطلاع اس کے باپ کو امرتسر پہنچائے۔ پرنسپل دراصل جلتن کے باپ کو اس کے بھاگنے کی اطلاع نہیں دینا چاہتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کا باپ اپنے علاقے کا ایک نامی گرامی بدمعاش قسم کا سیاستدان تھا۔ پرنسپل کی ہر ممکن کوشش تھی کہ وہ خود کسی نہ کسی طریقہ سے جلتن کو تلاش کرے۔

بہرحال اس نے 6 بجے جلتن سنگھ کے باپ کو امرتسر اس واقعے کے بارے میں تار بھیج دیا۔

اس دوران جلتن سنگھ کی تلاش کا سلسلہ دوسرے روز شام تک جاری رہا۔ جلتن سنگھ کے باپ کٹھل سنگھ نے آتے ہی پرنسپل پر چڑھائی کرتے ہوئے کہا کہ:

”مجھے کچھ نہیں معلوم مجھے ہر حال میں میرا بیٹا جلتن چاہئے۔“ اس نے پرنسپل کو مزید تنبیہ کرتے ہوئے کہا کہ ”میرا بیٹا ہاسٹل سے تمہاری مقرر کردہ چوکیداروں کی کسٹڈی سے بھاگا ہے لہٰذا تم ہی اس کی گمشدگی کے ذمہ دار ہو۔“

پرنسپل نے اسے پورا یقین دلانے کی کوشش کی کہ واقعات اور شواہد کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جلتن کسی جادوئی عمل کے منفی ردعمل کا شکار ہو کر فرار ہوا ہے۔

کٹھل سنگھ نے انتہائی غصے میں اپنی جگہ سے اٹھ کر پرنسپل کا بدمعاشی سے گریبان پکڑ کر کہا۔ ”مجھے یہ کہانیاں نہ سنا کہ میرا بیٹا کسی جادوئی عمل کی خرابی کا شکار ہوا ہے۔ میں تو

یہی جانتا ہوں کہ جلتن سنگھ تمہارے ہاسٹل اور چوکیداروں کے پہرے میں بھاگا ہے۔ اور مجھے تو شک ہے کہ تم لوگوں نے اس پر کوئی تشدد کیا ہوگا۔"

"نہیں نہیں کٹھل صاحب! آپ ایسا غلط سوچ رہے ہیں۔"

اوئے تو اپنی بکواس بند کر۔ میرے بیٹے جلتن سنگھ کو حاضر کر ورنہ یاد رکھ میں تجھ سمیت تیری اس اکیڈمی کو جلا کر بھسم کر دوں گا۔"

"کٹھل صاحب ایسی سخت بات نہ کریں۔ یہ پرنسپل کی اپنی اکیڈمی نہیں ہے۔ یہ سرکاری ادارہ ہے۔" تھانیدار نے یہ جملہ اپنے منہ سے نکالا تو کٹھل سنگھ کے ساتھ آیا ایک بدمعاش اپنی جگہ سے اسے مارنے کے لیے اٹھا تو کٹھل سنگھ نے اسے روکتے ہوئے کہا:

"کلو سنگھ تو ابھی رک جا۔ دیکھ میں ان کے ساتھ ابھی کرتا کیا ہوں۔"

اِدھر آ اوئے تیغ سنگھ (اس کے ساتھ آئے بدمعاش کا نام)۔

"جی سردار جی!"

"اوئے تو ذرا کلیام سنگھ منقا کے پاس جا اور اسے میرا پیغام دے کے وہ اپنے بندوں کے ساتھ میڈیکل کالج پہنچے"۔ کلیام سنگھ منقا دراصل اس زمانہ کے خطرناک ڈاکو گروپ کا سربراہ تھا جس سے اس زمانہ کی پولیس بھی ڈرتی تھی۔ تھانیدار ستوتم لعل نے جب کلیام سنگھ منقا کا نام سنا تو اس کے چہرے پر پریشانی کے اثرات نمایاں ہوئے۔ اس بار بڑی عاجزی سے اپنا لہجہ بدلتے ہوئے کٹھل سنگھ کو کہا۔

"سردار جی۔ آپ منقا جی کی حد تک نہ جائیں، ہم کوشش کرتے ہیں۔ بھگوان نے چاہا تو حالات میں کچھ بہتری آجائے گی"۔

"اچھا، اچھا اب یہ بتلا! اب کیا کرنا ہے۔" کٹھل سنگھ نے اپنے غصہ کو ذرا شانت کرتے ہوئے کہا۔

پرنسپل نے کٹھل سنگھ کا ذہن تبدیل کرنے کی خاطر جلتن سنگھ کے فرار ہونے کا سارا مدعا میرے اور سنقر رام پر ڈالتے ہوئے کہا کہ "دراصل جلتن سنگھ ان دونوں کا روم میٹ تھا۔" اب سب کی توجہ ہماری طرف ہوگئی۔

"ادھر آؤ بیٹے!" کٹھل سنگھ نے مجھے بڑے پیار سے کہا، میں ڈرتے ڈرتے اس کے پاس گیا اور میں نے جب اس کے غصے سے بھری کرخت شکل دیکھی تو مجھے اسے دیکھ کر مزید خوف آیا۔

"ہاں بیٹا بتاؤ، جلتن سنگھ نے تمہیں کیا کیا بتایا تھا۔ اور وہ کیا کیا حرکات کرتا تھا۔"

میں نے آہستگی اور سہمے ہوئے انداز میں اسے وہ سب کچھ بتایا جتنا کہ میں نے اس سے سنا اور دیکھا تھا۔

کٹھل سنگھ نے پرنسپل سے پوچھا کہ "تم نے بھاگتے جلتن سنگھ کو روکنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟"

پرنسپل نے کہا کہ "سردار صاحب! اس وقت اکیڈمی میں اسٹوڈنٹس کے Ist ٹرم کے امتحان ہو رہے تھے۔ اسے روکنا میرے بس میں نہ تھا۔"

پرنسپل کی بات کاٹتے ہوئے ایک چوکیدار نے درمیان میں کہا کہ "کٹھل صاحب! جلتن سنگھ کو پکڑنے کے لیے فہیم گل نے ہمت کی تھی لیکن اُسے پکڑنے کے لیے پروفیسر دھمن نے روکا تھا۔"

"کدھر ہے پروفیسر دھمن۔" میں ذرا اس کے دانت توڑوں۔ کٹھل سنگھ نے انتہائی غصے میں اپنی مٹھیوں کو بھینچتے ہوئے کہا۔ "جی وہ اسٹوڈنٹس کے حل شدہ پرچے ایجوکیشن ہیڈ آفس لیکر گیا ہے"۔

وہاں موجود ایک بدمعاش نے انتہائی بدتمیزی سے کہا۔ "اوئے مجھے ذرا یہ بتلا کہ کسی انسانی جان کو بچانا زیادہ ضروری تھا یا اسٹوڈنٹس کے پرچے"۔

"جی دونوں!" پرنسپل نے کانپتے ہوئے کہا۔

"اچھا اس مسئلہ کو میں بعد میں اپنے طریقے سے حل کروں گا۔ فی الحال مجھے تو اپنے پتر جلتن سنگھ کی فکر ہے۔"

کٹھل سنگھ کے ساتھ آئے ہوئے ایک بدمعاش نے وہاں موجود لوگوں کی توجہ میرے بیان کی روشنی میں اس نقطہ کی طرف دلوائی کہ جلتن سنگھ نے مجھے بتایا تھا کہ اس کا کوّے کی آواز نکالنے والا جن دوست اسے اکثر جنگلات

کی جانب لے جاتا تھا۔ لہٰذا اس نے مشورہ دیا کہ ہمیں بمبئی شہر سے ہٹ کر ذرا آگے جا کر جہاں جنگلات شروع ہوتے ہیں اسے وہاں تلاش کرنا چاہیے۔

اس بدمعاش کے مشورے کے پیش نظر پرنسپل کے کمرے میں موجود اسٹوڈنٹس، پولیس اور بعد میں آئے ہوئے کلیام سنگھ کے ساتھیوں کی 10 ٹیمیں بنائی گئیں۔ ہر ٹیم میں 10 افراد شامل تھے۔ کٹھل سنگھ نے اپنے ساتھ مجھے رکھا۔ اب یہاں مسئلہ یہ تھا کہ اس زمانہ میں بمبئی کی حدود 70/70 میل کے درمیان تھی اور وہاں کچھ شہری علاقہ اور کچھ جنگلات کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ مجموعی طور پر ان جنگلات کا رقبہ 25 میل پر محیط تھا۔ ان جنگلات میں جلتن سنگھ کو تلاش کرنا بڑا کٹھن کام تھا۔ باہمی مشورے سے یہ طے ہوا کہ 7 ٹیمیں جنگلات میں اور 3 شہری علاقہ میں کام کریں گی۔

پہلے روز رات کے وقت تمام 10 کی 10 ٹیمیں ناکام واپس آ گئیں۔ (جلتن سنگھ نہ ملا) اب یہ فیصلہ ہوا کہ اگلے روز مزید ٹیموں کو تشکیل دے کر بمبئی شہر کی حدود کے باہر جلتن کو تلاش کیا جائے گا۔ اسی دوران کٹھل سنگھ نے آرمی ڈاک سنٹر کے اسپیشل سونگھنے والے کتے منگوا لیے تھے۔ ان کتوں کو جلتن سنگھ کی چپلیں اور کپڑوں کو سونگھوایا گیا۔ ان کتوں کے ساتھ ملٹری کا ایک صوبیدار میجر بھی آیا تھا۔

دوسرے روز ہماری ایک ٹیم جس کا نمبر 9 تھا وہ بمبئی شہر کی مخصوص حدود سے 6 میل دور ڈونڈا کے جنگلات میں گئی۔

کتوں کے نگراں صوبیدار میجر نے سونگھنے والے اسپیشل کتوں کی رسیوں کو کھول دیا وہ بڑی تیزی سے جنگلات کے اندر گھس گئے۔

دراصل ڈونڈا کے جنگلات اس زمانہ میں 6 میل کے احاطے پر خودرو، دیوہیکل جھاڑیوں، کیکر کے طویل درختوں پر پھیلا ہوا تھا۔

سونگھنے والے کتوں کو ڈونڈا جنگل کے اندر گھسے ہوئے دو گھنٹے ہو گئے تھے لیکن وہ ابھی تک واپس نہیں آئے تھے۔ صوبیدار میجر نے ساری ٹیم کو تنبیہ کی تھی کہ وہ اس جنگل میں پیدل آگے نہ بڑھیں۔ اس نے بڑے وثوق سے کہا تھا کہ میرے کتے بے شک رات کو جنگل سے لوٹیں گے۔ لیکن مجھے پوری امید ہے کہ وہ کچھ نہ کچھ مثبت پیش رفت لے کر باہر آئیں گے۔

ادھر کٹھل سنگھ نے غصے کے عالم میں اس کا گریبان پکڑتے ہوئے کہا۔

"دفع کر اپنے کتوں کو ہمیں جنگل کے اندر آگے بڑھنے دے"۔ صوبیدار نے جھٹکا دے کر کٹھل سنگھ کے ہاتھوں سے اپنا گریبان چھڑاتے ہوئے کہا کہ "سردار جی ہوش کریں، آگے جنگل نہیں بلکہ موت کی وادی ہے۔ میں ایسا نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس ٹیم کے کسی رکن کو یہ مشورہ دوں گا کہ وہ جنگل کے اندر مزید پیش قدمی کریں۔

"تو صرف بکواس کر رہا ہے میرے ساتھ"۔

چلو اوئے منجو، مکھو اپنے بندوں کو لے کر جنگل کے اندر چلو۔"

یہ آپ اپنے بندوں کو موت کے منہ میں لے کر جا رہے ہیں۔ بھگوان کے واسطے آپ کچھ وقت یہاں انتظار کر لیں۔ میرے کتے کچھ نہ کچھ مثبت پیش رفت کے ساتھ آ رہے ہوں گے۔"

وہاں موجود منقا سنگھ کے بدمعاشوں نے اس کی کوئی نہ سنی وہ اپنے ہاتھوں میں ڈنڈے، سوٹے اور تلواریں پکڑے جنگل کی حدود کے اندر گھس گئے۔

"میں اب بھی آپ کو سمجھا رہا ہوں۔ کٹھل صاحب! رک جائیں۔" ان لوگوں نے اس کی کوئی نہ سنی۔

یہاں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ کٹھل سنگھ نے زبردستی مجھے اور سنقر رام اور تھانیدار سوتم لعل کو اپنے ساتھ لے لیا۔ وہاں اندر جنگل میں حالیہ برسات کی وجہ سے شدید کیچڑ دلدل پھیلا ہوا تھا۔ ہم لوگ بڑی احتیاط سے آگے بڑھ رہے تھے۔ سردار جی کدھر سے آگے بڑھیں۔ "یہاں تو ہر طرف دلدل ہی دلدل پھیلی ہوئی ہے۔"

"مجھے نہیں پتا۔ کہاں سے تم نے آگے بڑھنا ہے۔ بس ایسے آگے بڑھتے رہو۔"

"سردار جی! جیسا آپ کا حکم۔" ہم لوگ بڑی احتیاط سے آگے چل رہے تھے کہ ہمارے پیچھے سے ایک

زوردار چیخ کی آواز آئی۔ ”ہائے میں مرگیا۔ پیچھے مڑ کر مت دیکھو۔ دیکھو گے تو مرو گے۔ اوہو! سوتم لعل صاحب دلدل میں دھنس رہے ہیں۔“

”کٹھل صاحب بھگوان کے لیے مجھے بچالو۔ میرا جسم نیچے کو دھنستا جارہا ہے۔“ سوتم لعل نے چیخ کر کہا۔

میں خوش قسمتی سے اس وقت خشک جگہ پر موجود تھا۔ میں بھاگ کر اسکے قریب گیا اور دلدلی زمین میں دھنستے ہوئے تھانیدار سوتم لعل کو کہا کہ ”آپ مجھے اپنی پینٹ کی پیٹی کھول کر اس کا ایک سرا میری جانب پھینکیں۔“ سوتم لعل نے سیکنڈوں میں اپنی پینٹ کی پیٹی کھول کر اس کا ایک سرا میری جانب پھینکا۔ اس کا وزن مجھ سے کہیں زیادہ بھاری تھا۔ میں نے اپنے تئیں خوب زور لگایا لیکن میں اسے اپنی جانب کھینچ نہیں پا رہا تھا۔ میں نے اس کو دلدل سے باہر نکالنے کے لیے مدد کے لیے پکارا۔

”فہیم گل تو اسے چھوڑ اور ہمارے ساتھ آ۔ اسے کچھ نہ ہوگا۔“ کٹھل سنگھ بڑے غصیلے انداز میں چلایا۔

میں نے چار پانچ دفعہ اسے دلدل کے چنگل سے باہر نکالنے کے لیے پکارا تو منقا گروپ کے ایک غنڈے کو تھوڑا سا ترس آیا۔ اس نے ایک بڑی سوٹی توڑ کر اس کی جانب اچھال کر کہا کہ ”ایک ہاتھ سے تو اس چھڑی کو پکڑ، میں اسے کھینچتا ہوں۔“

ہم دونوں کی سر توڑ کوشش سے تھانیدار سوتم لعل کو دلدل سے باہر نکالا۔ وہ واپس جانے لگا تو کٹھل سنگھ نے اس کو دھاڑتے ہوئے کہا۔

”کہاں دفعہ ہو رہا ہے“۔

”سردار صاحب مجھے اپنی زندگی عزیز ہے۔ صوبیدار صحیح کہتا تھا کہ آگے جنگل نہیں بلکہ موت کی وادی ہے۔“

”تو نے اگر اس مصیبت میں ہمیں اس اندھے جنگل میں اکیلا چھوڑا تو یقین کر میں تجھے گولی مروادوں گا۔“

”مروادیں مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں۔“ تھانیدار نے انتہائی غصے کے عالم میں یہ جملہ کہا تو کٹھل سنگھ نے اپنے نیفے میں اڑسا ہوا پستول نکالا اور ایک فائر اس کی جانب داغ دیا۔ بیچارہ تھانیدار ٹانگ پر گولی لگنے کے بعد زمین پر گر گیا۔

”چلو اسے کوئی نہ اٹھائے اسے یہیں مرنے دو“۔

کٹھل سنگھ کے اس اقدام سے ٹیم کے سارے اراکین سہم گئے۔ ہم لوگ آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہے تھے کہ ہماری نگاہوں کے سامنے سونگھنے والے کتے بڑی برق رفتاری سے ہمارے سامنے سے گزرے۔ ان کتوں میں سے ایک کے منہ میں ایک بڑا سا کوا دبا ہوا تھا۔ جبکہ دوسرے کتے کے منہ میں ایک نیلا سا کپڑا تھا۔ وہ تیزی سے جنگل کے حدود سے باہر چلے گئے۔

کٹھل سنگھ نے کتوں کی اس حالت میں واپسی دیکھی تو اس نے اپنا وطیرہ بدلتے ہوئے ساری ٹیم کو کہا کہ واپس چلو۔

”سردار جی ہم بہت آگے آگئے ہیں۔“

”تم میں سے آدھے بندے جنگل میں آگے بڑھیں اور آدھے میرے ساتھ واپس صوبیدار کے پاس چلیں۔“

دلی طور پر ساری ٹیم واپس جنگل کی جانب جانا چاہتی تھی۔ کٹھل سنگھ نے اپنی انگلیوں کی مدد سے چند افراد کو چن کر آگے بڑھنے کا کہا تھا۔ شکر ہے اس نے مجھے واپسی کا اشارہ کیا تھا۔

ہم جب دوبارہ واپس صوبیدار میجر کے پاس گئے تو اس نے طنزیہ طور پر کچھ جملے کٹھل سنگھ کو بھی سنائے۔ ”اچھا یہ بتا تیرے کتے کیا کہتے ہیں۔“ کٹھل نے کہا۔

”سردار جی! آپ خود دیکھ لیں ایک کتے نے اپنے منہ میں مردار کوے کو پکڑا ہوا ہے۔ اور دوسرے کتے نے یہ نیلے رنگ کا کپڑا پکڑا ہوا ہے۔ جو دیکھنے میں کسی شلوار کا ہے۔ شلوار میں خون لگا ہوا ہے۔“

میں نے اسے نیلے پھٹے کپڑے کے ٹکڑے پہچانتے ہوئے کہا، ”اوہو! اس رنگ کی شلوار تو جلتن سنگھ نے صبح پہنی ہوئی تھی۔“

صوبیدار نے اپنا مشورہ دیتے ہوئے کہا، ”اس کا مطلب ہے کہ سردار جی! جلتن سنگھ اسی جنگل کی حدود میں

کہیں ہے۔ لیکن کس پوزیشن میں ہے اس کا کچھ نہیں کہہ سکتے۔"

"اچھا اب ہمیں کیا کرنا چاہئے؟" کٹھل نے پوچھا۔

"سردار جی! میرے دو کتے ابھی اس جنگل کے اندر ہی ہیں۔ مجھے تھوڑی دیر ان کا انتظار کرنا ہے اور مجھے امید ہے وہ دونوں کتے ان دونوں کتوں کے پیچھے آرہے ہوں گے۔"

"ابھی اور ہمیں انتظار کرنا پڑے گا۔" کٹھل سنگھ نے پرزور انداز میں چلاتے ہوئے کہا۔

صوبیدار میجر اس کے قریب آیا اس نے کٹھل سنگھ کو کہا۔ "سردار جی! مجھے آپ کی پریشانی کا احساس ہے لیکن ہمیں آپ کے پتر جلتن سنگھ کو بڑی پلاننگ سے تلاش کرنا ہوگا۔ جہاں آپ نے اتنا صبر کیا ہے مجھے صرف 10 منٹ اور دے دیں۔"

تقریباً 7 منٹ بعد ایک انتہائی شدید زخمی کتا لڑکھڑاتا ہوا جنگل کے اندر سے نمودار ہوا۔ اس کے جسم پر کوؤں کے ٹھونگوں کے سینکڑوں نشان نمایاں تھے۔

"اوہو، سردار جی! اب میں صحیح نتیجہ پر پہنچا ہوں۔ اب میں سمجھ گیا ہوں کہ آپ کا پتر کس لوکیشن پر ہوگا۔ لیکن میں آپ کو اب بھی یہاں یہ بات صاف طور پر بتلا دوں کہ آپ کا پتر اس جنگل کی جس لوکیشن میں ہوگا وہ لامحالہ شدید کرب میں درندوں کے نرغے میں ہے۔"

"اچھا اپنی بکواس بند کر اور یہ بتلا کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے۔" کٹھل سنگھ نے انتہائی پریشانی میں اپنا سر پیٹتے ہوئے کہا۔

صوبیدار میجر نے کہا۔ "سردار جی! کم از کم 10 افراد پر مشتمل ٹیم سامنے نبل راستے سے اور 10 افراد پر مشتمل ٹیم سائیڈ سے جنگل کے اندر بھیجنی چاہیے اور اسی طرح ایک بیک پارٹی نورال کے علاقہ سے جنگل کے اندر جائے۔"

"یہ تو کیا کر رہا ہے؟"

"سردار جی بھگوان کے واسطے مجھے اس معاملے کو اپنے طور پر ڈیل کرنے دیں، اگر آپ نے اس گتھی کو سلجھانا نہیں، تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔"

ایک بدمعاش نے درمیان میں مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں نہیں صوبیدار صاحب یہ معاملہ آپ اپنے طور پر ڈیل کریں"۔

"آپ جلدی سے 3 ٹیمیں تشکیل دیں اور فٹافٹ جنگل کی جانب پیش قدمی کریں۔"

اس بار بھی کٹھل سنگھ نے مجھے اپنی ٹیم میں رکھا، جس نے نبل کے راستے جنگل کے اندر جانا تھا۔

نبل کی سائیڈ سے جنگل کا راستہ کچھ کم دلدلی اور بہتر تھا۔ لیکن وہاں پھر بھی جگہ جگہ کھڈوں وغیرہ میں پانی کھڑا تھا۔ ہماری ٹیم کے بندے اپنے ہاتھوں میں پکڑے ڈنڈوں، کلہاڑیوں کی مدد سے راستے میں آئے سرکنڈوں، شاخوں، چھوٹے درختوں کو کاٹ کر راستہ صاف کر رہے تھے۔

تقریباً ڈیڑھ دو گھنٹے تک ہماری ٹیم بڑی احتیاط سے جنگل میں آگے بڑھتی رہی۔ ہمیں کچھ کامیابی نہ ملی۔ ایک جگہ آ کر ہم لوگوں نے یہ بات مشاہدہ کی کہ آسمان پر لاتعداد کوے بالکل لیکر کی صورت میں جنگل کی سیدھ میں آگے بڑھ رہے تھے۔

صوبیدار میجر نے پوری ٹیم کو کہا کہ وہ ان کوؤں کی جاتی لکیر کو فالو (Follow) کرتے ہوئے چلیں۔

مزید تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کی مسافت کے بعد ایک مقام پر آ کر ہماری ٹیم یہ منظر دیکھ کر ٹھہر گئی۔ منظر یہ تھا کہ جلتن سنگھ ایک خالی جگہ پر اکڑوں بیٹھا ہوا ہے اور اس کے آگے پیچھے اردگرد سینکڑوں کوے منڈلا رہے ہیں۔ اور اس سے ذرا دور آرمی کا سونگھنے والا کتا کوؤں کو بھگانے کے لیے مسلسل بھونک رہا ہے۔

کٹھل سنگھ نے ایک زوردار آواز کے ساتھ چلاتے ہوئے کہا۔ "ان کوؤں پر فائر کرو۔"

"ایسا نہ کرنا!" صوبیدار میجر نے آخری حد تک زور سے چلاتے ہوئے کہا۔ "ایسا نہ کرنا۔ ایک سیکنڈ میری بات سن لو۔"

صوبیدار نے کہا کہ "ہمیں ان کوؤں کے قریب ہو

کر ہوائی فائر کرنا چاہیے۔ ہرگز سیدھا فائر نہ کرنا اگر ہم نے ایسا کیا تو ہوسکتا ہے کہ یہ کوّے اس بچے کو کوئی نقصان نہ پہنچادیں۔"

صوبیدار کی ہدایت پر عمل کیا گیا۔ کوؤں نے شاید ہمیں دیکھ لیا تھا۔ انہوں نے ہمارے سروں، کانوں پر ٹھونگیں مارنا شروع کردی تھیں۔

ہاں اب ان پر چھرے والے کارتوسوں سے کھلا فائر کرو اور اس کے ساتھ برق رفتار سے جلتن سنگھ کی جانب بڑھو۔" اس عمل سے یہ فائدہ ہوا کہ جو کوّے ہم پر حملہ کررہے تھے، ان کی بڑی تعداد بھاگ گئی تھی۔ چند ڈھیٹ کوے جنونی انداز میں موقع ملنے پر ہم پر حملہ کررہے تھے لیکن ان کی تعداد محدود تھی۔ ہم لوگ آہستہ آہستہ فوجی انداز میں پیش قدمی کرتے ہوئے جب جلتن سنگھ کے قریب پہنچے تو وہ نڈھال قریب المرگ پڑا ہوا تھا۔ اسے فوری طور پر پانی پلایا گیا۔ جو کتا کوؤں سے الجھ کر انہیں جلتن سنگھ کے قریب سے بھگانے کی کوشش کررہا تھا وہ صوبیدار میجر کے قریب ہانپتے حالت میں اس سے لپٹ گیا۔

"ہوائی فائر کرو، ہوائی فائر کرو۔" صوبیدار میجر مسلسل چلاتا رہا۔ اب آسمان کوؤں سے صاف ہوگیا تھا۔

"چلو جلتن سنگھ کو کندھے پر اٹھا کر جلد سے جلد جنگل کی حدود سے باہر نکلو۔"

نیم مرگ جلتن سنگھ کو ایک غنڈے نے اپنے کندھے پر اٹھالیا تھا۔ جلتن سنگھ نے بڑی مری آواز میں کہا۔ "وہ سامنے درخت پر بیٹھے کوّے کو مار دو۔ یہ وہ کوا جن ہے۔ وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

"رکواؤ رکو۔" کٹھل سنگھ نے ساری ٹیم کو روکتے ہوئے کہا۔

"ذرا جلتن سنگھ کی بات کو غور سے سنو۔" جلتن سنگھ کے لبوں کے قریب جب کان کیے گئے تو اس نے بڑی آہستگی سے کہا۔ "وہ سامنے سفیدے کے درخت پر جو بڑا کالا سیاہ کھا بیٹھا ہے اسے کسی طرح مار دو۔ یہی میری مصیبت کا اصل کارن ہے۔"

ہم سب نے وہاں نظریں گھما کر دیکھا وہاں واقعی ایک سفیدے کے درخت پر ایک بڑا (ہٹا کٹا) کوّا خاموشی سے بیٹھا ہوا تھا۔

"ہے کوئی صحیح نشانے باز جو اس شیطانی کوّے کو نشانہ بنائے۔"

"ہاں سردار جی! میں ہوں"۔ منقا گروپ کا ایک بدمعاش بڑے دعوے سے آگے بڑھا۔

"دیکھ اگر تو نے میرے پتر کے اس دشمن کو مار دیا تو میں تجھے دو مربع زمین دوں گا اور ہاں اگر تو نے چونک کی تو یاد رکھ میں تجھے یہیں گولی مار دوں گا۔"

"سردار جی بھگوان نے چاہا تو میں اپنے دعوہ پر کھرا رہوں گا۔"

اس بدمعاش کو T-13 کارتوس والی نئی گن تھمائی گئی تھی جس پر بڑی قیمتی دوربین لگی ہوئی تھی۔ بدمعاش نے چند لمحے کوّے کو نشانے پہ لیا۔ اس کی ایک آنکھ بند تھی اور انگلی ٹریگر پر تھی۔ ماحول پر سکتہ چھایا ہوا تھا، بدمعاش نے اپنی مہارت کا مظاہرہ کرتے ہوئے درخت پر بیٹھے کوّے کو ایک ہی فائر کرکے زمین پر گرادیا۔ اس کے بعد اس نے اپنی تسلی کے لیے دوسرا فائر بھی مارا، جس سے کوئے کا جسم ادھڑ کر رہ گیا۔

راوی نے اس کہانی کا مختصر انجام یہ بتلایا کہ جلتن سنگھ کو اس کے باپ نے بمبئی شہر کے سب سے مہنگے پرائیویٹ ہسپتال میں داخل کروایا۔ وہاں اس کا علاج دو ماہ چلتا رہا۔

نیز کٹھل سنگھ نے زخمی تھانیدار کو اس زمانہ میں -/10,000 اور صوبیدار میجر کو -/5000 روپے انعام دیئے اور مجھے -/2000 ہزار کے علاوہ میرا تمام میڈیکل تعلیم کا خرچہ برداشت کیا۔ جلتن سنگھ نے اپنی صحت یابی کے فوراً بعد اپنی میڈیکل کی تعلیم کو جاری رکھا۔

بقول راوی میں تو ڈاکٹر بن کر 1947ء میں پاکستان آ گیا جبکہ جلتن سنگھ کے بارے میں یہ پتا چلا کہ وہ آنکھوں کا سرجن ڈاکٹر بنا تھا۔